حیات اللہ انصاری

(1911 – 1999)

حیات اللہ انصاری لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔1926 میں مدرسہ فرنگی محل سے مشرقی علوم کی سند حاصل کی۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔اے۔کیا۔طالب علمی کے دوران ہی قومی تحریکوں میں دل چسپی پیدا ہوگئی تھی۔مہاتما گاندھی سے عقیدت کی بنا پر وہ کانگریس میں شامل ہوئے اور آخر وقت تک کانگریسی رہے۔1937 میں ہفتہ وار اخبار 'ہندوستان' جاری کیا۔1944 میں پنڈت جواہر لعل نہرو نے لکھنؤ سے روزنامہ ''قومی آواز'' جاری کیا اور انصاری صاحب اس کے پہلے مدیر مقرر ہوئے۔1966 اور 1982 میں راجیہ سبھا کے رکن رہے۔ حیات اللہ انصاری اور ان کی اہلیہ نے اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے ڈاکٹر ذاکر حسین کے ساتھ ایک دستخطی مہم چلائی تھی۔

حیات اللہ انصاری نے افسانے، ناولٹ اور ناولوں کے ساتھ ساتھ تنقیدی مضامین بھی لکھے اور غیر اردو داں حضرات کو اردو سکھانے کے لیے ایک قاعدہ ''دس دن میں اردو'' لکھا۔1952 میں لکھنؤ میں تعلیم بالغان کے لیے تعلیم گھر قائم کیا۔ حیات اللہ انصاری نے پریم چند کے افسانوں سے متاثر ہوکر افسانے لکھے لیکن ان کے افسانوں کی فضا مختلف ہے۔ان افسانوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں مشاہدہ، تخیل اور فکر تینوں ایک دوسرے کے متوازی ہیں۔ان کے افسانے زندگی کے تمام پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں۔

حیات اللہ انصاری کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''انوکھی مصیبت'' 1939 میں شائع ہوا۔اس کے بعد ''بھرے بازار میں''، ''شکستہ کنگورے'' اور ''ٹھکانا'' کے عنوان سے ان کے افسانوی مجموعے، دو ناولٹ ''مدار'' اور ''گھروندا'' منظر عام پر آئے۔پانچ جلدوں پر مشتمل ضخیم ناول ''لہو کے پھول'' چھپا۔''جدیدیت کی سیر'' حیات اللہ انصاری کی تنقیدی کتاب ہے۔انھوں نے بچوں کے لیے بھی کہانیاں لکھیں جو ''میاں خوخو'' اور ''کالا دیو'' کے نام سے شائع ہوچکی ہیں۔

© NCERT not to be republished

بھیک

کیلاش کی لاری پتھو راگڑھ کے خشک بنجر اور تپتے ہوئے پہاڑوں کے ایک درے سے پار کر کے موتی نگر کی وادی میں داخل ہوئی اور داخل ہوتے ہی منظر اور موسم اور مسافروں کا مزاج سب کچھ بدل گیا۔ سامنے ایک طرف نندا دیوی اور ترشول کی برف پوش چوٹیاں چمک رہی تھیں اور دوسری طرف ڈھلواں پہاڑوں پر سیب، ناشپاتی اور آلوچوں کے باغوں کی ہریالی تھی جو پہاڑوں کے سلسلوں سے زینہ بزینہ اُترتی ہوئی نیچے جا کر گھنے درختوں اور نامعلوم تاریکیوں میں گم ہو جاتی تھی۔

جب لاری اسٹینڈ پر پہنچی کیلاش اپنی بہنوں سمیت اترا تو اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آج کوئی بہت بڑا تہوار ہے جسے پہاڑ اور ان کی چوٹیاں، درخت اور چڑیاں آسمان اور سورج یہ سب کے سب انسانوں کے ساتھ مل جل کر منا رہے ہیں۔ اس خوش گوار منظر میں کیلاش ایسا کھویا کہ اسے اپنی سخت بیماری کی وجہ سے زندگی کی طرف سے جو مایوسی تھی وہ بالکل دور ہوگئی اور ایسا محسوس ہونے لگا جیسے آسمان کو چومنے والے پہاڑ اشاروں میں کہہ رہے ہیں کہ ہماری شاندار، صاف و شفاف اور دل کش دنیا میں بیماری اور مصیبتوں کا کیا کام۔ لاری اسٹینڈ سے ایک سڑک پر بل کھاتی ہوئی جھومتی جھامتی آبادی کی طرف جاتی تھی۔ اس نے کیلاش کو ایسا لبھایا کہ وہ نوکر سے جو اسباب کو اٹھوانے میں لگا ہوا تھا یہ کہہ کر کہ میں ڈاک بنگلے کی طرف چلتا ہوں، روانہ ہوگیا۔ راستہ بہت دل کش تھا اور ہر موڑ قدرت کی نت نئی فیاضیوں سے مالا مال تھا۔

کچھ دور نکل کر کیلاش ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ ایک پیالی چائے پی، کچھ دیر سامنے کے منظر سے لطف اٹھایا اور پھر آگے کی طرف چل کھڑا ہوا۔ راستے میں ایک باغ میں ایک آدمی تازے سیبوں کو چیڑ کے بکس میں بند کر رہا تھا۔ اس کے پاس دو مسافر کھڑے تھے جن میں ایک دس گیارہ برس کی خوب صورت سی لڑکی تھی۔ وہ دونوں پھل والے سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

کیلاش ادھر دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں پاس سے ایک آواز آئی۔ ''بابو جی۔ تھرماس میں لے چلوں؟'' کیلاش نے مڑ کر دیکھا۔ بارہ تیرہ برس کی دبلی پتلی لڑکی کھڑی تھی اور بڑی بڑی، مظلوم اور مایوس آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

تھرماس واقعی کیلاش کو بھاری معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے وہ لڑکی کے حوالے کر دیا اور پھر اس فیاضی سے جو قدرت نے اس وادی کے ساتھ دکھلائی تھی پوچھنے لگا۔

© NCERT not to be republished

''کہاں رہتی ہو؟''

لڑکی نے نیچے کی گھنی تاریکیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''وہاں بہت نیچے۔''

''ماں باپ کیا کرتے ہیں؟''

''مر گئے۔''

''تم کیا کرتی ہو؟''

''کچھ نہیں۔''

''کیوں؟''

''بچہ کچھ نہیں کرنے دیتا۔''

''بچہ؟ کیا تمھارا بچہ بھی ہے؟''

لڑکی اس بدگمانی پر ہنس پڑی اور کہنے لگی۔

''میرا دو برس کا بھائی ہے جو بہت دِق کرتا ہے۔ ہر وقت کھانا مانگتا ہے— رات کو نہ وہ سونے دیتا ہے اور نہ ڈر —''

ڈر!! اس وادی میں کس چیز سے؟''

''میری کٹھریا کا دروازہ ٹوٹا ہوا ہے۔ رات بھر میں ڈرتی رہتی ہوں کہ کوئی آ کر ہم کو کھا نہ جائے۔''

کیلاش کے دل میں دَیا اُبل پڑی۔

''نوکری کرے گی؟''

''کوئی رکھے تو کیوں نہ کروں۔ میں تو بہت محنت سے اس کی سیوا کروں گی۔''

''اچھا میں رکھوں گا تجھے بھی اور تیرے چھوٹے بھائی کو بھی۔''

لڑکی حیرت زدہ ہو کر کیلاش کو دیکھنے لگی۔

''بابو جی— سچ!''

''ہاں سچ— بالکل سچ۔''

لڑکی تھوڑی دیر تک حیرت زدہ رہی۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور وہ کیلاش کے پاؤں پر گر پڑی۔ اور شکر گزاری سے

© NCERT not to be republished

بابو جی بابو جی کرنے لگی۔اس کے منھ سے اور کچھ نہ نکلا۔

رجنی خوشی کے مارے رات کو سو نہ سکی۔ذرا ذرا دیر کے بعد اس کی آنکھ کھل جاتی تھی اور ہر بار وہ کروٹ لے کر ٹوٹے کواڑوں کی درزوں سے جھانکتی تھی کہ پہاڑوں کے اوپر آسمان پر صبح کی سفیدی تو نہیں نظر آرہی۔آج اس کا روزانہ والا خوف کہ کہیں رات کو کوئی بھیانک شکل والی چیز اس کی کوٹھڑی کے ٹوٹے پھوٹے دروازے سے گھس کر اس کو اس کے سب بھائی بہنوں کو سوتے میں کھا نہ جائے دور پہاڑوں میں چھپ گیا تھا۔اس کے سامنے سکھ سے بھری ہوئی صبح تھی اور پھر عیش وآرام سے بھرے ہوئے دن اور رات۔

رجنی نے اپنے پانچوں بھائی بہنوں پر نظر ڈالی۔جو کمبلوں کے گودڑ کے نیچے ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے بے خبر سو رہے تھے۔رجنی سوچ رہی تھی کہ ذرا دیر میں صبح ہو جائے گی۔اور پھر اپنے بھائی بہنوں کو لے کر پانچ سوفٹ کی چڑھائی چڑھ کر بابو جی کے پاس پہنچ جاؤں گی۔پھر کیا؟ روٹیاں ملیں گی، پہننے کو بھی ملے گا اور رات کو اوڑھنے کو بھی اور ڈر سے بہت دور کسی کوٹھری میں سونے کو جگہ ملے گی۔

آخر صبح قریب آ ہی گئی اور اس کے دوسال کے دبلے پتلے سوکھے سا کھے بھائی للّو نے چیخ مار کر رونا شروع کر دیا۔آج رجنی نے سستی نہیں دکھلائی اور جلدی سے اسے پیشاب کرالیا۔ورنہ ہوتا تو یہ تھا کہ وہ یوں ہی دن چڑھے تک پڑا رہتا تھا اور پھر جب اس کا بستر رجنی کو بھیگا ہوا ملتا تھا تو وہ للّو کو دھنک کر رکھ دیتی تھی۔آج رجنی نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اسے پیشاب کرالیا بلکہ اسے پیار بھی کیا اور بہلایا بھی۔یہ چیز للّو کے لیے کچھ اتنی عجیب سی خوشی لے کر آئی کہ وہ رات بھر کی بھوک کو بھول گیا۔اور اپنی ٹوٹی پھوٹی بولی میں باتیں کرنے لگا۔

جس وقت موتی نگر کی پچھّم کی چوٹیوں پر دھوپ کی پہلی چمک نظر آئی ہے، اس وقت تک چھ بچوں کا یہ قافلہ سوفٹ پہاڑ پر چڑھ چکا تھا۔اور بہت تھک چکا تھا۔ہوا ٹھنڈی تھی۔تیز تھی اور مخالف تھی اس وجہ سے بچوں کو خالی پیٹ اوپر چڑھنے میں بہت دشواری ہو رہی تھی۔للّو کئی مرتبہ رو چکا تھا اور رجنی کے ہاتھ سے اس پر پٹ بھی چکا تھا۔رجنی نے ذرا دیر اسے گود میں بھی لیا تھا لیکن بارہ برس کی لڑکی جسے پیٹ بھر کھانا نہ ملتا ہو کیسے دوسال کے بچے کو لے کر دور تک جا سکتی تھی اس لیے للّو چل سکے یا نہ چل سکے اسے چلنا تو پڑے گا ورنہ رجنی مار مار کر راستے ہی میں ختم کر دے گی۔اس وقت تو وہ کچلی ہوئی ناگن کی طرح بپھری ہوئی تھی۔اسے سخت کوفت تھی کہ یہ دوسال کا ہڈیوں کا ڈھانچہ، میں جہاں جاؤں یا جو کام کروں میری راہ میں حائل رہتا ہے۔اب دیکھو اس وقت عیش وآرام کی دنیا صرف چار سوفٹ اوپر ہے۔اگر یہ نہ ہوتا تو میں کب کی وہاں پہنچ چکی ہوتی۔

رجنی کا غصہ دیکھ کر کلّو جو للّو سے دو سال بڑا تھا اور منّی جو چار سال بڑی تھی سہمے ہوئے تھے اور ہانپ ہانپ کر ایک ایک قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ البتہ تلسی اور رامو رجنی کی طرح تازہ دم تھے بلکہ ان دونوں نے بھی للّو کو باری باری گود میں ذرا ذرا دیر کے لیے اٹھا لیا تھا۔

اس طرح چھوٹے چھوٹے انسانوں کا یہ چھوٹا قافلہ ڈانٹ اور مار، خوف اور آنسو، تھکاوٹ اور ہانپنے، امیدوں اور تمناؤں کے ساتھ پچاس فٹ اوپر چڑھ گیا۔ اس جگہ رامو کو ایک چشمے کے پاس پڑا ہوا ایک داغی سیب مل گیا۔ لیکن وہ ابھی منھ تک نہیں لے جانے پایا تھا کہ رجنی نے جھپٹ کر اسے چھین لیا اور دانت سے اس کا ایک بڑا سا ٹکڑا کاٹ کر للّو کو دیا۔ اور پھر باقی کے دو ٹکڑے کر کے کلو اور منی کو۔

کلو اور منی سیب کا ٹکڑا کھا کر، چشمے کا پانی پی کر تازہ دم ہو گئے اور باتیں کرنے لگے۔

کلّو : ''اوپر پتا اور ماں ملیں گی۔''

منی : ''نہیں — الّو — وہ نہیں — وہ تو مر گئے۔''

© NCERT not to be republished

کلّو : ''جو مر جاتے ہیں کیا وہ اوپر بھی نہیں ملتے؟''

منی : ''(بہت سنجیدگی سے)'' وہ کہیں نہیں ملتے۔'' ہم لوگ ایک اور بابو جی کے پاس جا رہے ہیں جو پتا جی کی طرح روٹی دیں گے۔ کپڑے دیں گے اور اوڑھنے کو دیں گے۔''

ان دونوں کی باتیں سن کر نہ جانے کیا ہوا کہ رجنی پگھل سی گئی۔ اس نے ان دونوں کو اور پھر للّو کو پیار کیا اور کہا کہ ''اب دھیرے دھیرے اٹھتے بیٹھتے چلیں گے۔ پھر ڈھارس دینے لگی کہ اوپر پہنچتے ہی بہت سی روٹیاں ملیں گی جن میں گیہوں کی بھی ہوں گی۔ گرم کُرتے اور پیجامے ملیں گے، چائے ملے گی، سیب ملیں گے، پھر بابو جی کے ساتھ ہم لوگ ان کے دیس چلے جائیں گے جہاں بہت آرام سے رہیں گے۔''

رجنی جس نے آج تک اس وادی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا تھا، پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف دیکھنے لگی اور سوچنے لگی کہ اس پار کی دنیا کیسی ہوگی؟ مگر جیسی بھی ہو، وہاں روٹیاں ہوں گی، کرتے پیجامے ہوں گے اور ایسے گھر ہوں گے جن میں ڈر نہ لگتا ہوگا۔

رجنی اب اپنے قافلے کو لے کر مزے مزے اوپر چڑھنے لگی۔ جتنا جتنا اوپر چڑھتی جاتی، اس کی خوشی بڑھتی جاتی۔

رجنی کو معلوم تھا کہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہاڑوں میں گھومنے والے دولت مند کسی پہاڑی مرد یا عورت کو رکھ کر اپنے ساتھ میدان میں لے جاتے ہیں جہاں نہ برف پڑتی ہے نہ بھوک ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات دور دور اس کے تصور میں نہ تھی کہ میں بھی ان خوش نصیبوں میں ہو سکتی ہوں اور میرے ساتھ میرے پانچ بھائی بہن بھی۔

سورج اوپر چڑھ رہا تھا اور رجنی بھی اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ اوپر چڑھ رہی تھی۔ آخر ڈاک بنگلہ کی سرخ چھت نے اپنی جھلک دکھلا ہی دی۔

کیلاش چائے پی رہا تھا اور کھڑکی سے صاف ستھری نندا دیوی اور اس کے نیچے کے عظیم الشان پہاڑوں کو دیکھ رہا تھا کہ اس کے نوکر نے آ کر خبر دی ——

''کل والی لڑکی آئی ہے۔''

''اور اس کا بچہ بھی؟''

''ایک چھوڑ پانچ پانچ بچے ساتھ ہیں۔''

''پانچ پانچ۔''

© NCERT not to be republished

نوکر : ''جی حضور!''

کیلاش نے باہر آ کر دیکھا تو رجنی کھڑی تھی اور اس کے گرد بہت سے چھوٹے بڑے، میلے کچیلے، چیڑے چُندھے بچے، ناک سے سُڑسُڑ کر رہے تھے اور کیچڑ سے لت پت آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کیلاش نے رجنی کے پاس جا کر سختی سے جواب طلب کیا۔

''یہ سب کون ہیں؟''

رجنی کیلاش کو دیکھ کر اتنی خوش ہوئی کہ اس نے اس کی سختی کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کی اور چلا کر کہنے لگی۔

''میں ان سب کو لے آئی، اب یہ سب آپ کے پاس رہیں گے یہ منّی ہے، یہ للّو ہے، وہ رامو ہے، وہ کلّو ہے، وہ تلسی ہے۔''

کیلاش : ''سب تیرے بھائی ہیں؟''

رجنی : جی ہاں، دو بھائی ہیں اور دو بہنیں ہیں۔

رجنی ذرا صاف ستھری تھی اور اس کی صورت میں ایک کشش تھی لیکن بچے تو سڑی گلی چیزوں کا ڈھیر معلوم ہوتے تھے۔ان کو دیکھ کر کیلاش کا جی متلانے لگا۔اور کل والی رومانی فیاضی جو رات گزر جانے سے باسی ہو چکی تھی حقیقت پسندی سے بدل گئی اور کیلاش سوچنے لگا کہ رجنی کے ساتھ ایک بچہ ہوتا دو ہوتے تو ممکن تھا، لیکن اتنوں کو کیسے پالا جا سکتا ہے؟ یہ سب ہمارے چھوٹے سے گھر میں کیسے رہیں گے، ان کو کھلایا اور پہنایا کہاں سے جائے گا؟ پھر یہ بہتی ہوئی ناکیں، یہ کیچڑ بھری آنکھیں، یہ کوئلہ ایسے ہاتھ پاؤں، یہ بُو اور میل!! کیلاش کی بہنیں بھی باہر نکل آئی تھیں کہ ہم بھی ذرا بھیّا کے مہمانوں کو دیکھیں۔

وہ بولیں :''بھیا ان سب کو لے چلو گے؟''

کیلاش یہ سوال سن کر جھنجھلا گیا اور رجنی سے کہنے لگا۔

''تو نے کل کیوں نہیں بتلایا کہ تیرے ساتھ اتنی بڑی فوج ہے، سب کو میں کہاں رکھ سکتا ہوں؟''

یہ سن کر رجنی پر بجلی گر پڑی۔اتنی بڑی مایوسی کا سامنا اس نے زندگی میں پہلی بار کیا تھا۔اس کا چہرہ بالکل سوکھ گیا اور آنکھیں اندر ڈوب گئیں مگر منھ سے کچھ نہ نکل سکا۔اس کے سب بھائی بہنوں کا بھی یہی حال ہوا۔کلو تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

رجنی نے اپنی گھنونی فوج کو نفرت بھری آنکھوں سے دیکھا۔ایسی نفرت جس کا تقاضا یہ تھا کہ ان سب کو مار ڈالو یا خود مر جاؤ۔

پانچ منٹ کے اندر اندر یہ فوج ناکامی اور نامرادی کو اپنے پھٹے دامنوں میں لے کر پسپا ہوئی لیکن کیلاش کے لیے آسان نہ

© NCERT not to be republished

تھا کہ ان کو یوں رخصت کرتا۔اس کی دَیا جو مرگئی تھی پھر کراہنے لگی اور پکارنے لگی کہ کچھ تو کرو۔اس پکار سے نجات پانے کے لیے کیلاش نے رجنی کو پکارا—اور دو روپیے اس کے ہاتھ میں رکھ دیے۔

دو روپیے—اس سے بہت کچھ خریدا جاسکتا ہے، رجنی اپنی فوج کو لے کر بازار کی طرف بھاگی اور ایک دوکان کے سامنے سب کو پوریاں کھانے اور کھلانے لگی۔ پہلے آٹھ آنے کی پوریاں لیں، پھر آٹھ آنے کی اور لیں، پھر چار آنے کی اور لیں، پھر اور چار آنے کی۔اس طرح دونوں روپیے ختم ہوگئے۔لیکن نہ بھوک گئی اور نہ کھانے کی حسرت۔

دوپہر کے بعد یہ قافلہ خالی ہاتھ نیچے کی طرف تھکے دل اور تھکے پاؤں کے ساتھ اُترنے لگا اور اس طرح کہ بیٹھ گیا تو اٹھنے کی ضرورت ہی نہ محسوس کی۔صبح جن تاریکیوں سے نکل کے آیا تھا، شام کو ان ہی کی طرف جا رہا تھا۔سورج بھی ڈوبتا جا رہا تھا اور وہ لوگ بھی اترتے جا رہے تھے مگر بالکل خاموشی سے، نہ رونا، نہ ڈانٹنا، نہ اظہار حسرت، نہ ڈھارس گویا یہ سب بچے نہیں بوڑھے تھے، اور وہ بھی ہڈی چمڑے کے نہیں، گودڑ کے بنے ہوئے۔صرف للّو دو ایک بار رویا مگر رجنی کے مارنے نے اس کی بھی آواز بند کردی۔سورج ڈوبنے پر یہ لوگ اسی اپنی پرانی کوٹھری میں پہنچے جہاں بھوک تھی اور سردی تھی، خوف تھا اور ان تینوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

پہنچتے ہی تھکی ہوئی تلسی نے آہستہ سے کہا۔'' بھوک لگی ہے۔'' پھر رامو نے بھی کہا، پھر منی اور کلو نے بھی۔دل کی امیدوں کے ساتھ پیٹ کی پوریاں بھی غائب ہوچکی تھیں۔

رجنی بچوں کو اندھیرے اور بھوک اور ڈر کی آغوش میں چھوڑ کر پڑوسیوں کی دیا کا امتحان کرنے نکل کھڑی ہوئی۔

—— حیات اللہ انصاری

مشق

لفظ و معنی:

بنجر	:	وہ زمین جس میں کچھ پیدا نہ ہو
برف پوش چوٹیاں	:	برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں
دل کش	:	دل کو لبھانے والا

© NCERT not to be republished

دِق کرنا : تنگ کرنا، پریشان کرنا

چشمہ : پانی کا سوتا

حسرت : کسی چیز کے نہ ملنے کا احساس

پسپا : شکست، ہار

غور کرنے کی بات:

- یہ افسانہ انسان کی بنیادی ضرورتوں یعنی روٹی، کپڑا اور مکان کے مسائل کے گرد گھومتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ بھوک مٹانے کے لیے کتنی مصیبت اُٹھانی پڑتی ہے۔
- اس افسانے کے مرکزی کردار رجنی میں ہندوستانی عورت کی ممتا نظر آتی ہے۔ وہ اپنی فاقہ کشی اور مفلسی کے باوجود چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے ایثار اور قربانی کی مثال پیش کرتی ہے۔

سوالوں کے جواب لکھیے:

1۔ موتی نگر کی وادی میں داخل ہوتے ہی مسافروں کا مزاج کیوں بدل گیا؟

2۔ رجنی کو ایسی کون سی خوشی حاصل ہوئی جس کی وجہ سے وہ رات بھر سو نہ سکی؟

3۔ پہاڑ پر چڑھتے وقت رجنی اور اس کے بہن بھائیوں کے جذبات کیا تھے؟

4۔ کیلاش نے ایسا کیا کہا جسے سن کر رجنی پر بجلی سی گر پڑی؟

عملی کام:

- افسانے کا مرکزی خیال بتائیے۔
- اس افسانے میں ایک محاورہ استعمال ہوا ہے ''بجلی گرنا''۔ یہ محاورہ کس موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک یا دو جملوں میں استعمال کر کے واضح کیجیے۔
- اس افسانے کے آخری جملے کی وضاحت کیجیے۔

© NCERT not to be republished